ڈاکٹر نسرین اختر*

منصور الحلاج رومی کی نظر میں

مولانا جلال الدین رومی نے اپنی مثنوی میں کئی مقامات پر الحلاج کے عارف حق ہونے کی تصدیق کی ہے اور ان کے ''انا الحق'' کہنے کو روا اور جائز قرار دیا ہے۔

حسین ابن منصور جو منصور حلاج کے نام سے زیادہ تر مشہور ہیں۔ فارس کے شہر بیضا کے ایک گاؤں طور میں پیدا ہوئے، بغداد میں تعلیم و تربیت پائی، کہا جاتا ہے کہ:

''الحلاج رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ایک صحابی ابو ایوبؓ کی اولاد میں سے تھا، اس کا باپ جو غالباً ایک دھنیا تھا، جس سے اس کی کنیت حلاج ہوئی، طور چھوڑ کر اس خطے میں چلا گیا جو تستر کے وسط تک پھیلا ہوا تھا جہاں پارچہ بافی کی صنعت عام تھی۔ ابن منصور نے بارہ سال کی عمر سے پہلے ہی قرآن مجید حفظ کر لیا تھا وہ کم عمری میں ہی قرآن مجید کی سورتوں کے باطنی معانی تلاش کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ اس نے اپنے آپ کو سہل التستری کے مدرسۂ تصوف سے وابستہ کر دیا تھا۔ بیس سال کی عمر میں وہ سہل التستری کو چھوڑ کر بصرے چلا گیا جہاں وہ عمرو بن عثمان مکی کے سلسلۂ طریقت سے وابستہ ہو کر خرقے سے مشرف ہوا''۔[1]

''منصور حلاج صوفی، عربی زبان کے شاعر اور صاحب سکر تھے۔ عشق الٰہی آپ کے رگ و ریشے میں رچا ہوا تھا، لوگوں کے دلوں کی باتیں بتلاتے اور اسرار حال بیان کرتے رہتے تھے اس لیے آپ کا لقب حلاج پڑ گیا تھا''۔[2] یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ بار واسط میں ایک دھنیئے کی دوکان پر پہنچے اور اسے کسی کام کو بھیجنا چاہا اس نے کہا میں اپنے کام میں مشغول ہوں اس پر ابن منصور نے اسے کہا کہ تو میرا کام کر دے میں تیرا کام کر دوں گا۔ چنانچہ وہ چلا گیا جب وہ کام کر کے واپس آیا تو دکان کی روئی کا سارا ذخیرہ دھنا ہؤا پایا اس وجہ سے ان کا لقب حلاج ہو گیا۔[3]

---

*۔ اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ فارسی، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

۱۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، جلد ۸، ص ۳۰-۵۲۹

۲۔ سیرت ابن منصور از مولانا ظفر احمد عثمانی، ص ۳۱

۳۔ سیرت ابن منصور، از مولانا ظفر احمد انصاری، ص ۳۷

منصور حلاج نے بصرہ ، ایران ، خراسان ، اہواز ، بغداد ، ماوراءالنہر، ترکستان ہندوستان اور چین میں جا کر بندگان خدا کو دعوت حق کا پیغام پہنچایا اور تصوف اور طریقت پر کئی کتابیں اور رسالے تصنیف کیے - ''ہندوستان والے انہیں مغیث ، چین اور ترکستان والے مقیت ، خراسان والے ممیز ، فارس والے ابو عبد اللہ زاہد اور خوزستان والے شیخ صلاح الاصرار ، بغداد کے بعض لوگ انہیں مصطلم اور بصرہ کے بعض لوگ انہیں محیر کہتے تھے'' -[1]

''خلیفہ المقتدر کے زمانۂ حکومت میں حلاج کو مختلف الزامات کے تحت گرفتار کر کے آٹھ سال سات مہینے اور آٹھ دن تک انہیں مختلف جیلوں میں رکھا گیا''-[2]

حلاج پر اہم الزامات یہ تھے کہ وہ :

۱- انا الحق کہہ کر خدائی کا دعویٰ کرتا ہے اور حلول کا قائل ہے[3]

۲- اسلامی عبادات کا مفہوم بدلتا ہے[4]

ان مذکورہ الزامات کے تحت حلاج پر مقدمہ چلایا گیا جس کے نتیجے میں انہیں ''ایک ہزار کوڑوں کی سزا دی گئی - پھر ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹنے کے بعد ان کا سر تن سے جدا کیا گیا اور لاش کو جلا کر اس کی راکھ دریائے دجلہ میں بہا دی گئی - سر کو دو دن تک بغداد کے پل پر نصب کیا گیا پھر خراسان بھیج دیا گیا اور اطراف و اکناف میں گھمایا گیا''-[5]

مولانا جلال الدین رومی اپنی مثنوی میں امام قشیریؒ ، شیخ فرید الدین عطارؒ، عبدالوہاب شعرانیؒ ، شیخ ابن عربیؒ ، امام ابوبکر شبلیؒ ، شیخ ابوالقاسم نصر آبادی ابوالعباس ابن عطاؒ ، امام محمد بن خفیفؒ ، علامہ عبدالروف مصری اور دوسرے کئی بزرگان طریقت اور علماء و فقہا کی طرح منصور حلاج کو عارف کامل اور ان کے نعرۂ انا الحق کو جائز قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں -

چون انا الحق گفت شیخ و پیش برد
پس گلوی جملہ کوران را فشرد[6]

گویا مولانا روم کے نزدیک حلاج کے اقوال و افعال سے شرع کی مخالفت کا شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا بلکہ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ جب شیخ نے انا الحق کہا

۱- سیرت ابن منصور، از مولانا ظفر احمد انصاری، ص ۳۲
۲- سیرت ابن منصور، از مولانا ظفر احمد انصاری، ص ۱۳۵
۳- سیرت ابن منصور، از مولانا ظفر احمد انصاری، ص ۱۱۶
۴- سیرت ابن منصور، از مولانا ظفر احمد انصاری، ص ۱۱۷
۵- سیرت ابن منصور، از مولانا ظفر احمد انصاری، ص ۱۲۹
۶- مثنوی مولانا روم دفتر ششم، مرتبہ نیکلسون، ص ۱۱۴۵

اور شرع سے آگے نکل گئے تو اہل بصیرت نے ان کے اس فعل کو خلاف شرع نہیں سمجھا صرف وہ لوگ جو بصیرت نہیں رکھتے تھے انہی لوگوں نے اسے خلاف شرع قیاس کیا ۔ حقیقت تک رسائی حاصل کرنے والے عارف اور سالکوں کے نزدیک منصور کا انا الحق کہنا اس لیے جائز ہے کہ ان کے نزدیک باطن کو ظاہریت پر فوقیت حاصل ہے ۔

مولانا روم منصور حلاج کے انا الحق کا تجزیہ کرنے سے پہلے اس منزل کی نشان دہی کرتے ہیں جس منزل پر پہنچ کر طالب حقیقی کی اپنی ہستی فنا ہو جاتی ہے اور اس کے دل و دماغ اور قلب و جگر پر صرف مطلوب حقیقی ہی نقش ہو جاتا ہے ۔ اس منزل پر پہنچ کر طالب حقیقی کا دل مطلوب حقیقی کے نور سے منور اور معمور ہو جاتا ہے ۔ حلاج بھی جب اس منزل پر پہنچے تو اس وقت ان کی اپنی ہستی فنا ہو چکی تھی۔ ان کی ذات عشق حقیقی میں مستغرق ہو چکی تھی ۔ اسی استغراق میں منصور کے انا الحق کہنے کی وجہ یہ تھی کہ ان کی اپنی ہستی کی اس کے وجود ذہنی سے نفی ہو چکی تھی ۔ ایسی حالت میں وہ منصور حلاج نہ رہے تھے بلکہ انا الحق کہنے والی وہ ذات تھی جس میں منصور حلاج خود فنا ہو چکے تھے ۔ اس حالت کو مولانا روم نے یوں بیان کیا ہے ۔

چوں انای بندہ لا شد از وجود　　پس چہ ماند توبیندیش ای حجود[1]

بلکہ دیدۂ بصیرت رکھنے والوں کو کہتے ہیں :

گر ترا چشمیست بکشا در نگر　　بعد لا آخر چہ می ماند دگر[2]

گویا فنا فی اللہ کے مقام پر پہنچ کر سالک اپنی ہستی مٹا ڈالتا ہے اس حالت میں نہ تو اسے کسی کے لعن طعن کا احساس رہتا ہے اور نہ ہی وہ اس مقام سے واپس لوٹنا چاہتا ہے بلکہ وہ اس خم وحدت میں ڈوب جانا ہی ابدی اور حقیقی زندگی سمجھتا ہے ۔ اگر ایسے مقام پر پہنچنے والے سالک کو کہا جائے کہ اٹھو۔ کھڑے ہو جاؤ۔ ہوش میں آؤ۔ باہر نکل آؤ تو وہ انتہائی عیش و طرب میں وجد کرتے ہوئے جواب دیتا ہے کہ میں نے تو حقیقی زندگی پا لی ہے اور میرا تو اب اس خم وحدت سے نکلنا محال ہے ۔ مولانا روم سالک کے اس منظر کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

چوں در آں خم افتد و گوئیش قم　　از طرب گوید منم خم لا تلم[3]

منصور بھی جب اس مقام پر پہنچے تو انہوں نے ''انا الحق'' کا نعرہ لگایا وہ خاموش بھی نہیں رہ سکتے تھے کیونکہ اس منزل پر پہنچ کر سالک کو اپنے ارادوں

۱۔ مثنوی دفتر ششم، مرتبہ نیکلسون، ص ۱۱۴۵
۲۔ مثنوی دفتر ششم، مرتبہ نیکلسون، ص ۱۱۴۵
۳۔ مثنوی دفتر دوم، مرتبہ نیکلسون، ص ۲۶۳

اور قول و فعل پر عمل دخل نہیں رہتا کیونکہ اس کی ہستی خدا کی وحدانیت میں فنا ہو چکی ہوتی ہے ۔ مولانا روم کے نزدیک خدا کی توحید کا سمجھنا یا سیکھنا خدا کی وحدانیت میں اپنے آپ کو فنا کرنا ہے جو شخص خدا کی ذات میں اپنے آپ کو تانبے کی طرح کیمیا میں پگھلاتا ہے وہی در اصل خدا کی حقیقت کو بھی پا لیتا ہے ۔ مولانا روم فرماتے ہیں ۔

چیست توحید خدا آموختن   خویشتن را پیش واحد سوختن
ہستیت در ہست آن ہستی نواز   ہمچو مس در کیمیا اندر گداز[۱]

قرآن مجید میں اللہ تعالی فرماتا ہے ۔ کل شیئ ہالک الاوجہہ یعنی خدا کی ذات کے سوا ہر چیز کو فنا حاصل ہے ۔ مولانا روم نے اس آیت سے یہ استدلال پیش کیا ہے کہ جو شخص اپنی ذات کو خدا کی ذات میں فنا کر دیتا ہے وہ تو باقی رہتا ہے اور جو اپنی ذات کو اس کی ذات سے جدا رکھتا ہے وہ فنا ہو جاتا ہے لہذا سالک حق اپنی ذات کو خدا کی ذات میں فنا کرکے ابدی اور دائمی زندگی پاتے ہیں ، مولانا فرماتے ہیں :

کل شیئ ہالک جز وجہ او   چون نہ در وجہ او ہستی مجو[۲]

بقول مولانا روم اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

ہر کہ اندر وجہ ما باشد فنا   کل شیئ ہالک نبود جزا[۳]

منصورہ حلاج کے ”نعرۂ انا الحق“ کے متعلق مولانا روم فرماتے ہیں :

گفت فرعونی انا الحق گشت پست   گفت منصوری انا الحق و برست[۴]

گویا مولانا روم منصور کے انا الحق کو جائز اور منصور کے لیے باعث نجات بتاتے ہیں مگر جو لوگ سرے سے تصوف کے قائل ہی نہیں ہیں ان کا یہ کہنا ہے کہ انسان کیسے خدائی کا دعویٰ کر سکتا ہے اور اگر منصور کا انا الحق کہنا جائز ہے تو پھر فرعون کو ”انا الرب“ کہنے کی وجہ سے کیوں مرتد ، ملعون اور کافر قرار دیا جاتا ہے ۔ مولانا روم اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں :

آن انا را لعنت اللہ در عقب   وین انا را رحمت اللہ ای محب
ز آنک او سنگ سیاہ بد این عقیق   آن عدو نور بود و این عشیق

۱۔ مثنوی دفتر اول، مطبوعہ اسلامی پبلشنگ کمپنی لاہور، ص ۳۱۵
۲۔ مثنوی دفتر اول، ” ایضاً ” ص ۳۱۶
۳۔ مثنوی دفتر اول، ” ایضاً ” ص ۳۱۹
۴۔ مثنوی دفتر پنجم، مرتبہ نیکلسون، ص ۹۲۵

این أنا هو بود در سر ای فضول   ز اتحاد نور نہ از رای حلول[1]

دوسری جگہ فرماتے ہیں :

آن انا بی وقت گفتن لعنت ست   واین انا در وقت گفتن رحمت ست

آن انا منصور رحمت شد یقین   وین انا فرعون لعنت شد ببین[2]

بود انا الحق در لب منصور نور   بود انا اللہ در لب فرعون زور[3]

مذکورہ اشعار میں مولانا روم نے فرعون کے نعرۂ انا الرب کو اس لیے لعنت قرار دیا ہے کہ وہ نور حقیقی کا دشمن تھا اس نے خود کو نور حقیقی کا درجہ دینے کی کوشش کی اور ذات باری کے شریک بننے کا اعلان کیا مگر برعکس اس کے منصور کے نعرۂ انا الحق کو خدا کی رحمت اس لیے قرار دیا کہ وہ خدا کا عاشق اور اس کے نور میں فنا ہو کر اپنی ہستی کو اس کی ہستی کے سامنے مٹانے والے تھے ۔ مولانا فرماتے ہیں کہ منصور نے انا الحق کہہ کر عزت و مرتبہ حاصل کیا اور فرعون نے یہی نعرہ لگا کر لعنت حاصل کی ۔

مولانا نے فرعون کو سنگ سیاہ سے تشبیہہ دے کر اسے نور حقیقی یعنی خدا کا دشمن قرار دیا اور منصور حلاج کو عقیق سے تشبیہہ دے کر اسے خدا کا عاشق قرار دیا اور کہا کہ جس طرح عقیق سورج سے فیض پا کر جوہری خاصیت پاتا ہے اسی طرح منصور نے ذات باری کے نور میں اپنے آپ کو سمو کر قرب حقیقی حاصل کیا ہے ۔ گویا فرعون نے اپنی غیر تکمیل اور تاریک خودی کو حق اور حقیقت سمجھ لیا تھا اس حالت میں اس کا ''انا الرب'' کہنا اس لیے کفر قرار دیا گیا کہ اس نے سنگ سیاہ ہونے کے باوجود آفتاب بننے کا دعویٰ کیا جس سے وہ راندہ درگاہ ہوا مگر منصور نے اپنی خودی کو خدا سے ہمکنار کیا ۔ انھوں نے خودی کی تکمیل کی ، پہلے اپنے آپ کو عقیق بنایا یعنی مجاہدہ اور ریاضت کر کے اپنے نفس کو مغلوب کیا اپنے وجود کی نفی کی اور تب کہیں جا کر انھوں نے اپنے آپ کو آفتاب حقیقت کا ہم ذات بنایا ۔ مولانا روم فرماتے ہیں کہ جب تک کوئی سالک اپنے نفس امارہ کو مغلوب نہیں کر لیتا اس وقت تک وہ اس مقام تک رسائی حاصل نہیں کرسکتا جس مقام پر پہنچ کر منصور نے ''انا الحق'' کا نعرہ لگایا ۔ مولانا فرماتے ہیں ، اس مقام پر پہنچ کر ''انا الحق'' کہنا تو درکنار ہم تو کہتے ہیں کہ ؎

بلکہ وحدت گشت اورا در وصال   شد خطاب او خطاب ذوالجلال

۱- مثنوی دفتر پنجم، مرتبہ نیکلسون، ص ۹۲۵

۲- مثنوی دفتر دوم، مرتبہ نیکلسون، ص ۳۱۸

۳- مثنوی دفتر دوم، مرتبہ نیکلسون، ص ۲۱۵

بعد ازآن گوید حقم منصور وار   تا شود بر دار شہرت او سوار[1]

گویا منصور نے انا الحق کہنے سے پہلے اپنے آپ کو ذات حقیقی میں فنا کیا چونکہ ان کا عشق صادق اور کامل تھا اس لیے ان کی زبان اور دل سے خدائے واحد کے فیوض اور برکات کے آثار ظاہر ہونے لگے جب یہ آثار ان کے دل پر جلوہ فگن ہوئے تو انھوں نے اناالحق کا نعرہ لگایا اس عالم وجد میں ان کے ''اناالحق'' کہنے کا مطلب یہ نہ تھا کہ وہ خدا بن گئے بلکہ مقصد یہ تھا کہ انھوں نے اپنے آپ کو خدا کی ذات میں فنا کر دیا ہے - اسی فنا کے بعد بقا کا درجہ حاصل ہوتا ہے - مولانا فرماتے ہیں :

جہد کن تا سنگیت کم تر شود   تابلعلی سنگ تو انور شود

———

صبر کن اندر جہاد و در عنا   دم بدم می بین بقا اندر فنا[2]

فرعون نے ''انا الرب'' کا اعلان انسانیت کی تکمیل کے بغیر اور اپنے وجود کے استقلال کے لیے کیا جس کی بنا پر یہ ''انا'' اس کے لیے لعنت ثابت ہوئی - منصور نے چونکہ نفس امارہ کو مغلوب کرنے اور مجاہدہ اور ریاضت کے بعد اناالحق کا نعرہ لگایا اس لیے ان کا یہ نعرہ باعث رحمت ثابت ہوا - مولانا سالکان طریقت سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

ہین مکن تعجیل اول نیست شو   چوں غروب آری برآ از شرق ضو
کے شود کشف از تفکر این انا   آن انا مکشوف شد بعد از فنا[3]

فرعون نے فنائے بشریت کے بغیر انا الرب کہا جو ناجائز تھا اور منصور نے فنائے بشریت کے بعد وہ مقام حاصل کیا جس پر پہنچ کر انھوں نے فخر سے اناالحق کہا - منصور نے نفس کشی کر کے یہ منزل حاصل کی اور فرعون نے تکبر اور خود بینی سے اپنے آپ کو خدا سمجھا اس لیے وہ کافر ٹھہرایا گیا - مجاہدہ اور ریاضت کو مولانا روم نے درد سے تشبیہ دی ہے اور کہا ہے کہ جس انسان نے مجاہدہ اور ریاضت نہ کی ہو وہ اپنی منزل تک نہیں پہنچ سکتا - فرماتے ہیں :

آنک او بی درد باشد رہزن ست   زآنک بی دردی اناالحق گفتنیست[4]

مولانا روم کے نزدیک سالک کو طلب حق میں شامل ہونا چاہیے تا کہ وہ شاہد حق سے ہمکنار ہو سکے - سالک جب نفس امارہ کو مغلوب کر لیتا ہے تو پھر

۱- مفتاح العلوم دفتر ششم، مرتبہ مولانا محمد نذیر عرشی، ص ۲۱۲
۲- مثنوی دفتر پنجم، مرتبہ نیکلسون، ص ۹۲۵
۳- مثنوی دفتر پنجم، مرتبہ نیکلسون، ص ۱۰۳۴-۳۵
۴- مثنوی دفتر دوم، مرتبہ نیکلسون، ص ۳۱۸

سالک پر ایسی حالت طاری ہو جاتی ہے کہ اگر کفر بھی اس کے حکم کی تعمیل کے لیے ہو تو وہ بھی ایمان بن جاتا ہے - فرماتے ہیں :

تا چنین سر در جهان ظاہر شود   مقبل اندر جستجو ماہر شود
تا فزاید در جهاد و کوشش او   تا میسر گرددش دیدار ہو[1]

مولانا فرماتے ہیں کہ منصور کو ''اناالحق'' کی ماہیت کا علم تھا وہ خدا کی ذات و صفات سے با خبر تھے اس لیے جب انھوں نے اناالحق کا نعرہ لگایا تو اس وقت بھی وہ اس حقیقت کو خوب جانتے تھے کہ جو کچھ ہے وہ ذات باری ہے اور میں بھی اس ذات باری کی شعاعوں سے منور ہو چکا ہوں - برعکس اس کے مولانا فرعون سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں :

تو انا ربُّ ہمی گوئی بعام   غافل از ماہیت این ہر دو نام[2]

یعنی اے فرعون تو لوگوں کو یہ کہتا ہے کہ میں تمھارا پروردگار ہوں مگر حالت یہ ہے کہ تو ان دونوں ناموں یعنی ''انا'' اور رب کے معنوں اور ماہیت سے بے خبر ہے - مولانا روم منصور کے ''اناالق'' کے متعلق مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

آن منم خم خود اناالحق گفتنست   رنگ آتش دارد الا آہنست
رنگ آہن محو رنگ آتش است   ز آتشی می لافد و خامش وش است
چون بہ سرخی گشت ہمچو زرکان   پس انا النارست لافش بی زبان
شد ز رنگ و طبع آتش محتشم   گوید او من آتشم من آتشم
آتشم من گر ترا شک ست و ظن   آزمون کن دست را در من بزن
آتشم من گر ترا شد مشتبہ   روی خود برروی من یک دم بنہ[3]

ان اشعار میں مولانا روم عارف حق کے روحانی وجد اور باطنی کیفیت کو بیان کرتے ہیں جو فنا فی‌اللہ کے مقام پر پہنچ کر اپنی ہستی کو مٹا دیتا ہے - مولانا روم مذکورہ مثال دیتے ہوئے یہ واضح کرتے ہیں کہ منصور کے فنا فی اللہ کے مقام پر پہنچ کر ''اناالحق'' کہنے سے حق تعالیٰ کے عین ہونے کا دعویٰ نہیں ہوتا بلکہ اس کی مثال اس لوہے کی مانند ہے جو آگ میں ڈالا جائے اور کچھ دیر آگ میں پڑا رہنے کی وجہ سے فنا فی‌النار ہو کر آگ ہی بن جائے - لوہے کی خاصیت بدل جاتی ہے وہ آگ کی طرح دہکنے لگتا ہے ہاتھ لگائیں تو جلا ڈالتا ہے دیکھنے والا اسے

١- مثنوی دفتر ششم، مطبوعہ مجیدیہ پریس کانپور، ص ٢٣ و مفتاح العلوم دفتر ششم، ص ٢١٣
٢- مثنوی دفتر پنجم، مرتبہ نیکلسون، ص ١٠٣٤
٣- مثنوی مولانا روم دفتر دوم، مرتبہ نیکلسون، ص ٢٦٣

آگ ہی سمجھتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ باوجود آگ میں آگ بننے کے لوہا ہی ہے وہ اپنی خاصیت بدلنے کی وجہ سے آگ کے ساتھ متحد نہیں ہو سکتا اس طرح منصور نے جب اناالحق کا نعرہ لگایا تو وہ خدا نہیں بن گئے تھے نہ انھوں نے خدا ہونے کا دعویٰ کیا بلکہ ان کا مطلب یہ تھا کہ انھوں نے اپنی ہستی خدا کی ہستی میں مٹا ڈالی ہے ۔ اب جو کچھ ہے وہ خدا ہی خدا ہے میں کچھ بھی نہیں ہوں ۔

سالک کے اوصاف اور آثار بیان کرنے کے بعد مولانا روم ایک قدم اور آگے بڑھاتے ہوئے منصور کے ''اناالحق'' کو جائز قرار دیتے ہیں اور قرآن مجید کی ایک آیت سے اس کا ثبوت دیتے ہوئے فرماتے ہیں :

ما رمیت اذ رمیت راست دان   ہرچہ کارد جان بود از جان جان[1]

اس شعر میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ما رمیت اذ رمیت و لکن اللہ رمیٰ ۔ یعنی خدا نے حضور سے کہا ۔ نہیں پھینکی آپ نے مشت خاک جب پھینکی تھی بلکہ یہ اللہ نے پھینکی تھی ۔ یہ جنگ بدر کا واقعہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مشت خاک اٹھا کر کفار کی طرف پھینکی تو خدا کے حکم سے کفار کو شکست ہوئی ۔ مولانا روم اس شعر میں یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل خدا کا فعل تھا اسی طرح مرشد کا فعل دراصل اللہ کا فعل ہوتا ہے جس کے حکم اور مشیت سے وہ فعل وقوع پذیر ہوتا ہے ۔ مولانا روم فرماتے ہیں کہ منصور کا ''اناالحق'' کہنا دراصل منصور کی آواز نہ تھی بلکہ خدائے حقیقی کی ذات کی آواز تھی جس میں منصور فنا ہو چکے تھے انھوں نے خدا کا دامن مضبوطی سے تھام لیا تھا اس لیے ان میں جو باطنی قوت پیدا ہوئی وہ دراصل اس ذات واحد کی کشش اور قوت تھی لہذا اس حالت میں منصور کا اناالحق کہنا برا فعل نہیں تھا ۔ مولانا روم ایک اور دلیل پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ خدا نے آدم کو پیدا کر کے اس کے وجود میں اپنی تجلیات کا ظہور کیا اور فرشتوں کو حکم دیا کہ اسے سجدہ کرو ۔ یہ سجدہ دراصل آدم کے لیے نہیں تھا بلکہ یہ اسی خدا کی ذات کے لیے تھا جس کا نور آدم کے جسم میں منور تھا ، مولانا فرماتے ہیں :

آدمی چون نور گیرد از خدا   ہست مسجود ملائک ز اجتبا[2]

فنا فی‌اللہ ہونے والے عارف جس طرح دنیا کے لعن و طعن سے نہیں گھبراتے اسی طرح وہ جسمانی تکلیف اور راحت کے خیال اور احساس سے بھی مبرا ہوتے ہیں کہ جب

۱۔ مثنوی دفتر دوم، مرتبہ نیکلسون، ص ۳۱۹
۲۔ مثنوی دفتر دوم، مرتبہ نیکلسون، ص ۲۶۳

منصور حلاج کو مقتل گاہ کی طرف لے جایا جا رہا تھا تو وہ انتہائی خوشی اور انبساط کے ساتھ وجد اور طرب میں یہ پڑھتے جاتے تھے ۔

اقتلونی یا ثقاتی لائماً ان فی قتلی حیاتی دائماً
ان فی موتی حیاتی یافتیٰ کم افارق موطنی حتیٰ متیٰ
فرقتی لولم یکن فی ذاالتکون لم یقل انا الیہ راجعون
راجع آن باشد کہ باز آید بشہر سوی وحدت آید از تفریق دہر[۱]

یعنی اے میرے معتمد لوگو! مجھے قتل کر ڈالو میرے قصور پر بھی ملامت کرتے جاؤ بے شک میرے قتل میں ہی میری ابدی زندگی پنہاں ہیں ۔

اے نوجوان! میری قوت ہی دراصل میری زندگی ہے میں اپنے حقیقی وطن سے کب تک اور کہاں تک جدا رہوں ۔

اگر اس سکونت میں میری جدائی نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ نہ فرماتا ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں ۔

لوٹنے والا تو وہی ہوتا ہے کہ جو اپنے شہر میں واپس آئے زمانہ کے فراق سے وصال کی طرف آئے ۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر منصور حق پر تھے تو علماء نے منصور کے خلاف قتل کا فتویٰ کیوں دیا ؟ کیا علماء معرفت پر یقین نہیں رکھتے تھے ؟ کیا وہ قرآن مجید کی ان آیات و تشریحات سے ناواقف تھے جن کو مولانا روم نے بطور ثبوت پیش کیا ۔ مولانا روم ان سوالات کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں :

چوں قلم در دست غداری بود بی گمان منصور بر داری بود[۲]

مولانا کے اس شعر سے یہ اشتباہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ علماء غدار تھے جنھوں نے منصور کے واجب القتل ہونے کا فتویٰ دیا ۔ اس اشتباہ کو دور کرنے کے لیے ان تاریخی حقائق کو پیش کرنا ضروری ہے جس کے نتیجے میں منصور کے خلاف فتویٰ صادر کیا گیا تھا اس ضمن میں سب سے پہلے شعری نکتے کو پیش کیا جاتا ہے کہ اس شعر میں لفظ غدار صیغہ واحد کو ظاہر کرتا ہے اگر مراد علماء ہوتی تو یہ لفظ غداراں ہوتا اور دوسرے مصرعے میں بھی اسی مناسبت سے کوئی موزوں قافیہ استعمال کیا جاتا اس کے علاوہ اس قتل کے محرکات کو مختلف تحقیقاتی نقطہ نگاہ سے واضح کیا جاتا ۔ تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ وہ کون غدار تھا جس کی وجہ سے منصور کو قتل کیا گیا ۔

۱- مثنوی دفتر اول، مطبوعہ اسلامی پبلشنگ کمپنی لاہور، ص ۳۹۸
۲- مثنوی مولانا روم دفتر دوم، مرتبہ نیکلسون، ص ۲۶۵

منصور دراصل مجذوب الحال درویش تھے ان کے اکثر اقوال اور ملفوظات اہل ظاہر کے لیے شریعت سے مورد اعتراض تھے جن کی وجہ سے علماء و مشائخ ان کے خلاف چرچے کرتے رہتے تھے مگر تاریخی لحاظ سے منصور حلاج کے خلاف مقدمہ قائم کرنے اور ان کے قتل کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ ''الحلاج کا مقدمہ مذہبی، سیاسی اور مالی حکمت عملی کے خلاف سازشوں کے بھیس میں قائم ہوا جنھوں نے کمسن خلیفہ المقتدر کے عہد حکومت میں دربار بغداد میں اضطراب پیدا کر دیا تھا۔ اس سے چوتھی صدی ہجری یا دسویں صدی عیسوی کے آغاز میں عباسی خاندان کی حیثیت اور اس کے کردار کی وضاحت ہو جاتی ہے جو وزراء ادا کرتے رہے۔ ''الحلاج کے دو بڑے دشمن شیعی وزیر ابن الفرات اور وزیر حامد تھے۔ بغداد کے بازاروں میں الحلاج نے جو وعظ کیے ان کا مقصد باطنی زندگی پر دینی اقتدار کا اطلاق اور عشق میں روح اور خدا کے درمیان اتحاد تھا یہ سب کچھ ایک عقیدت کے اصول کے تحت تھا جس میں سنی مسلک پر زور دیا گیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ الحلاج کا اخلاقی اصلاح کا مطالبہ اور عوام پر اس کا اثر یہ دونوں باتیں بہت سے ارباب اقتدار کے لیے ناراضگی اور پریشانی کا باعث تھیں۔''[۱]

تاریخی لحاظ سے حلاج کی موت کا پس منظر یہ ہے کہ حلاج کی تبلیغ سے متاثر ہو کر وہ ارادت مند جو الحلاج کو قطب کا درجہ دینے کے لیے مضطرب تھے وہ قوم کی اخلاقی و سیاسی اصلاح کے لیے بغداد میں ایک تحریک کا آغاز کرنا چاہتے تھے ان میں کچھ وزراء بھی تھے جن میں منصور کا معتقد ابن عیسیٰ بھی تھا۔ منصور نے اپنے بہت سے رسائل کا انتساب ابن حمدان اور ابن عیسیٰ کے نام پر کیا تھا۔ ابن عیسیٰ وزیر تھا جسے خلیفہ نے معزول کرکے اس کی جگہ ابن الفرات کو وزیر بنا لیا تھا یہ ابن عیسیٰ کو بھی حریف سمجھتا تھا اور الحلاج کا بھی مخالف تھا۔ وزیر حامد نے ابن عیسیٰ کے اثر کو زائل کرنے کے لیے الحلاج پر مقدمہ شروع کرایا اور اس سلسلے میں ابن مجاہد نے اس کی مدد کی۔ مقدمے کی سماعت میں کوئی شافعی موجود نہ تھا حنفی قاضی نے فیصلہ دینے سے انکار کر دیا تھا لیکن قاضی کے معاون ابو عمر اس کی حمایت کرنے پر رضامند ہو گیا اور گواہوں کا یہ افسر تحقیقات چوراسی دستخط کنندگان پیش کرنے میں کامیاب ہوگیا اور قاضی کی کرسی پر بیٹھ کر حامد کے زور دینے پر ابو عمر نے یہ فیصلہ سنایا۔ تمہارا خون بہانا جائز ہے۔''[۲]

اس فیصلے کے بعد دو دن تک صاحب نصر اور خلیفہ کی والدہ الحلاج کے حق میں خلیفہ سے سفارش کرتے رہے آخر خلیفہ نے جو بخار کی حالت میں تھا شش و پنج

۱۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، جلد ۸، ص ۵۳۴

۲۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، جلد ۸، ص ۵۳۲

میں پھانسی کی سزا کی منسوخی کا حکم دے دیا مگر وزیر کی سازشوں نے خلیفہ المقتدر کی قوت فیصلہ پر فتح حاصل کر لی جس نے ایک خاص دعوت سے رخصت ہوتے وقت الحلاج کی سولی کے وارنٹ پر دستخط کرا لیے۔''[1]

چونکہ وزیر ہی منصور کے قتل کا محرک اور ذمے دار تھا اسی نے علماء سے زبردستی فتویٰ حاصل کیا تھا لہذا مولانا روم کے نزدیک وہی وزیر غدار تھا نہ کہ علماء۔

مولانا روم مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

چون سفیہان راست این کار و کیا   لازم آمد یقتلون الانبیاء[2]

یعنی جب نااہل لوگوں کے ہاتھوں میں اقتدار آ جاتا ہے تو ولیوں اور بزرگوں کو قتل کرنا تو درکنار پیغمبروں کو بھی قتل کرنے سے دریغ نہیں کیا جاتا۔

۱۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، جلد ۸، ص ۳۵۸

۲۔ مثنوی مولانا روم دفتر دوم، مرتبہ نیکلسون، ص ۲۶۵